ڈاکٹر غلام عباس ✻

محمد حسن عسکری کا تصورِ انسان

Hassan Askari's Concept of Human

By *Dr. Ghulam Abbas, Lecturer, Dept. of Urdu, Govt. Degree College, Tonsa.*

ABSTRACT

Muhammad Hassan Askri is a great name in Urdu criticism. He influenced a big sphere of critics with his sagacious writings. In the present article his philosophy has been discussed. In this concept he sees a special difference between a ''man'' and a ''human being''. In his opinion a man has material as well as abstract needs. He is influenced by the external environment and likewise influences the external environment. He becomes the juncture of opposing and conflicting tendencies same time. On the other hand, according to him, a human being is pure, characteristic and inculpable creature whose mental and intellectual capabilities are boundless and who is an epitome of all good virtues. But at times, environment and external factors influence him inversely. But man is born to face and remove all these hinderances to reach the heights of mental and intellectual development. After introducing different concepts about human being Askari discussed in depth the Rosso's philosophy of human being, which labels human being is pure and inculpable. Rosso's philosophy is very popular, but Askari refutes this philosophy and prefers the one that keeps in mind the weaknesses and instincts of a common man. Critical and analytical view point has been expressed in order to highlight the said concept.

Keywords: Muhammad Hassan Askari, Criticism, Man & human being.

✻ لیکچرر، شعبۂ اردو، گورنمنٹ ڈگری کالج، تونسہ۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اردو ادب کے منفرد نقاد و ادیب محمد حسن عسکری کا تاریخی نام ''محمد اظہار الحق'' تھا۔ گھر میں والدہ انھیں ''بھولے میاں'' سے بلاتی تھیں۔[۱] عسکری صاحب نے ۵/نومبر ۱۹۱۹ء (۱۱/صفر ۱۳۳۸ھ) ضلع میرٹھ (اتر پردیش) کے ایک قصبے ''سراوہ'' میں جنم لیا۔ آپ کے والد گرامی کا نام ''محمد معین الحق'' تھا۔ آپ کے دادا مولوی حسام الدین اپنے علاقے کی مشہور شخصیت تھے۔ آپ پرتاب گڑھ میں ڈپٹی کلکٹر کے طور پر ۱۹۰۸ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔ عسکری صاحب کے والد صاحب بہ غرض نوکری بلند شہر میں رہے پھر ۲۹۔۱۹۲۸ء شکار پور (ریاست ہندوستان) میں اکاؤنٹینٹ کی حیثیت سے ملازمت اختیار کی تو رہائش بھی یہاں رکھی اور بعد میں میرٹھ چلے آئے۔

عسکری صاحب نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۳۹ء سے کیا ابتداً وہ افسانہ نگار کے روپ میں سامنے آئے۔ لیکن بعد ازاں انھوں نے اپنے آپ کو تنقید کے لیے مختص اور وقف کر دیا۔ اب اگر ہم ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک کے زیر اثر جو ''نیا ادب'' شروع ہوا، جس کے عسکری بڑے مداح رہے ہیں۔ اگرچہ جلد ہی یہ نیا ادب ترقی پسندی اور جدیدیت میں تقسیم ہو گیا۔ لیکن عسکری کو ہم ان دونوں کے اثرات سے مملو دیکھتے ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ جدیدیت کے زیادہ قریب ہیں لیکن یہ بھی سچ ہے کہ بڑا آدمی کبھی کسی جماعت میں مقید نہیں رہ سکتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عسکری صاحب جدیدیت پرست ہوتے ہوئے بھی ان باقی جدیدیوں سے ممتاز نظر آتے ہیں۔

عسکری صاحب نے قیام پاکستان کے سال ڈیڑھ سال میں ملک کے حالات، قوم کی ذہنی کشمکش، زندگی، انسان، تہذیب اس پر بہت کچھ سوچا اور لکھا ان کے یہ خیالات ہر مضمون میں بکھرے پڑے ہیں لیکن تسلسل بیان اور پوری توجہ سے ان سب خیالات کو دیکھنا ہو تو ان کا مشہور زمانہ مضمون ''انسان اور آدمی'' بڑا لائق توجہ ہے یہ مضمون انھوں نے ۱۹۴۹ء میں لکھا تھا۔ عسکری کے مضامین میں یہ بنیادی اہمیت کا حامل اس لیے بھی ہے کہ خود عسکری صاحب اس کے آغاز میں ہی یہ بتا دیتے ہیں[۲] کہ اس کے بارے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ اس پر کئی ہفتے صرف ہوئے ہیں لیکن یہ وقت لکھنے میں بھی نہیں لگا یا، سوچنے میں بھی نہیں... میں تو بس کاغذ سامنے رکھے اور قلم ہاتھ میں لیے اونگھتا رہا ہوں مگر کچھ لکھ نہ پایا، ہو سکتا ہے یہ موضوع میری دسترس سے باہر ہو لیکن اس پر یقین ہے کہ میرے احساسات میری دسترس سے ہرگز باہر نہیں۔ اگر اس مضمون کو عسکری صاحب کی جذباتی اور ذہنی توجہ کا محور قرار دیا جائے تو کچھ غلط نہ ہوگا۔ اس کی بنیادی اہمیت کا اندازہ اردو کے ایک بڑے اور اہم نقاد سلیم احمد کے الفاظ میں لگا لیتے ہیں:

> ''انسان اور آدمی''... عسکری صاحب کے مضامین میں کلیدی اہمیت رکھتا ہے۔
> عسکری صاحب نے زندگی، انسان، تہذیب اور اپنے زمانے کے بارے میں جو

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

> کچھ سوچا ہے اس کی مرکزی روح اس مضمون میں موجود ہے۔ یہ مضمون عسکری صاحب کی تحریروں میں اتنی بنیادی اہمیت کا حامل ہے کہ اگر عسکری صاحب کی تمام تحریریں کسی وجہ سے تلف ہو جائیں اور صرف یہی ایک مضمون باقی رہے تو اس کی مدد سے ان کے پورے نقطہ نظر کو دوبارہ مرتب کیا جا سکتا ہے۔[۳]

عسکری صاحب کا کہنا ہے کہ وہ انسان اور آدمی کے درمیان ایک خاص فرق محسوس کرتے ہیں اور ساتھ ہی انھیں ایک لفظ اور اس کے متعلقات اور مناسبات پسند ہیں اور دوسرے کے ناپسند۔ تب ان کا قلم نہ چلنے کا سبب بھی وہ خود واضح کیے دیتے ہیں کہ جن احساسات کا اظہار وہ کرنا چاہتے ہیں وہ فیشن کے خلاف ہیں۔ اب ظاہری بات ہے کہ بندہ فیشن کے برخلاف لکھے تو اسے بہت سے علوم میں ماہر ہونا چاہیے جب کہ عسکری صاحب عجز کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نہ تو انھیں ان دونوں لفظوں کے بنیادی لغوی معنوں میں راسخ معلومات ہیں نہ انھیں اخلاقیات، مذہب اور مابعد الطبیعیات کی تاریخ یا ان علوم سے کوئی واسطہ ہے۔ ہاں کچھ معلوم ہے تو وہ ادب ہے اور پھر اس میں بھی وہ کلاسیکی ادب کے بارے اپنی رائے کو زیادہ پر اعتماد نہیں سمجھتے۔ یہاں سے آگے جائیے تو عالمی ادب میں بھی وہ اپنے آپ کو انگلستان اور فرانس کے دو ملکوں کے ادب تک خود کو محدود پاتے ہیں۔ اس عجز کے پیچھے یقیناً عسکری صاحب کا وہ علم ہی بول رہا ہے جو ان کے دل میں سما چکا تھا اور بقول سلیم احمد صاحب[۴] کے عسکری کی شخصیت اپنی ذہانت و فطانت، علمیت اور بصیرت، گہرائی اور گیرائی وسعت اور عظمت کے لحاظ سے جدید اردو ادب میں ایک نادر و نایاب چیز ہے۔ ایک اور جگہ سلیم احمد لکھتے ہیں:

> محمد حسن عسکری نے اپنی روح کو انسانیت کی تجربہ گاہ بنا لیا اور اس کے اندر بیٹھ کر وہ ہر وقت یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے کہ انسانی ہستی اپنی تمام قوتوں اور کمزوریوں کے ساتھ کیا چیز ہے اور کائنات میں اس کا مقام اور تقدیر کیا ہے۔[۵]

یوں ہے تو پھر واقعتاً ان کی باتیں بامعنی ہیں وہ کہتے ہیں کہ انھیں ایک بات کا تو ہمیشہ خیال رہا کہ ''اس ادب کو کسی دوسرے کے احساسات یا خیالات کی مداخلت کے بغیر براہ راست محسوس کروں۔'' اور اس کوشش میں وہ اپنے ادبی تجربوں کو اپنے اور قسم کے تجربوں سے زیادہ خالص اور گراں قدر سمجھنے لگے ہیں۔ زندگی کے متعلق جو کچھ سوچتے یا محسوس کرتے ہیں اس میں ان ہی تجربات کی رہنمائی پاتے ہیں اور ان تجربات کو وہ انسانی رشتوں سے زیادہ اہم گردانتے ہیں بل کہ یہ تجربے ان کے لیے بطور چھٹی حس کام دیتے ہیں، اسے جبلت بھی کہہ لیجیے یا پھر ان کی قوت ارادی لیکن ان ہی تجربات کی مدد سے وہ انسان اور آدمی میں ایک بڑا فرق محسوس کرتے ہیں اور اپنا

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اندازہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اگر لوگوں نے جلدی ہی یہ فرق واضح طور پر نہ جانا تو انسانی تہذیب کا مستقبل صدیوں کے لیے مبہم رہے گا۔[۶]

اپنے ان محسوسات کی بنا پر عسکری صاحب انسان اور آدمی میں فرق بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آدمی وہ ہے جس کی مادی ضروریات کے ساتھ غیر مادی ضروریات بھی ہیں۔ کھانا، پینا، سونا، جاگنا اور جنسی خواہش محسوس کرنا جس کی بعض غیر مادی اقدار انھیں مادی ضرورتوں کے تابع ہوتی ہیں اور پھر مادی ضرورتیں بعض غیر مادی کردار کی اقدار کی پابندی قبول کرنے پر مجبور ہیں۔ اب یہ خارجی ماحول کو متاثر کرنے کے ساتھ اس سے خود بھی اثر لیتا ہے اپنے گزشتہ تجربات، اپنے تعقل اور تخیل کے ذریعے اپنے گرد ایک غیر مرئی ماحول بھی پیدا کر لیتا ہے جو اس کے لیے فطری ماحول جیسا اہم ہو جاتا ہے۔ مزید یہ کہ آدمی وہ ہے جو نفرت و محبت، رحم دلی و بے رحمی سب کی صلاحیت رکھتا ہے، جو علوی اور سفلی دونوں قسم کے جذبات محسوس کرتا ہے۔ عسکری صاحب کے نزدیک آدمی کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ ''وہ بیک وقت بالکل متضاد اور متناقص رجحانات کی رزم گاہ بنا رہتا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے یقینی طور پر کوئی پیش گوئی بھی ناممکن ہے آدمی وہ ہے جو تاریخ کی ابتدا سے لے کر آج تک ایک مسئلہ بنا رہا ہے اور جب تک وہ بدل کر کچھ اور نہ بن جائے وہ ہمیشہ مسئلہ بنا رہے گا۔

انسان وہ ہے جو ایک مصفا و منزہ اور معصوم ہستی ہے جس کی ذہنی اور جذباتی صلاحیتیں لامحدود ہیں جو اصل میں تو خیر کا مجسمہ ہے لیکن کبھی ماحول اور خارجی اثرات اس کو بگاڑ بھی دیتے ہیں انسان پیدا ہی اس لیے ہوا کہ ہر قسم کی رکاوٹوں پر قابو پاتا چلا جائے اور اپنی فتوحات کا دائرہ بڑھاتا رہے، اس کے ارادوں اور اس کی خواہشات پر کوئی پابندیاں نہیں ہیں۔[۷] ان صفات سے متصف یہ انسان ارتقا پذیر ہے۔ اپنی اندرونی زندگی کی تنظیم و تدوین کی شرط کے بغیر وہ ترقی کرتا جا رہا ہے اس ترقی میں جو خارجی چیزیں حائل ہیں جب وہ دور ہو جائیں گی تو انسان مکمل ہو جائے گا۔

عسکری صاحب نے اور ناموں کے حوالے سے کئی قسم کے انسان گنوائے ہیں۔ مثلاً ارسطو کا بے پروں والا دو پایہ، مانچسٹر اسکول کا معاشی انسان، لینوس کا عقل رکھنے والا انسان، روسو کا معاشری عہد نامے والا انسان۔ عسکری نے اسی روسو کے انسان کو زیرِ بحث لایا کہ جو اس وقت سکہ رائج الوقت اور مقبول تصور بن چکا تھا۔

مصفا و منزہ اور معصوم ہستی کے تصور والا انسان، کا یہ تصور عسکری کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے کی عملی سیاست میں نہ سہی لیکن سیاسی نظریوں میں کم و بیش ضرور ملتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس قسم کا انسان اگر موجود نہیں ہے تو خارجی ماحول کو درست کرنے کے بعد کم سے کم پیدا ضرور کیا جا سکتا ہے اس امید کا نام ''نیا انسان'' ہے۔[۸] اسی خارجی ماحول کی تبدیلی جب روس میں ''اشتراکی روس'' کی شکل میں سامنے آئی تو یہ لوگ سمجھنے لگے کہ اب نیا انسان

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ضرور پیدا ہوگا۔لیکن یہ ان کی خام خیالی سے زیادہ کچھ نہ تھی۔کیوں کہ فطری انسان کے تصور والے انسان کی سب سے پہلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کی مسرت لازوال اور لامحدود ہو، دوسرا یہ کہ اس کی لگن ہوتی ہے کہ وہ پوری کائنات پہ چھا جائے۔لیکن عسکری صاحب کہتے ہیں کہ یہ خوش فہمی حقیقت سے کوسوں بُعد رکھتی ہے۔ درحقیقت انسان کی جسمانی طاقت بہت محدود ہے اور اس سے بھی وہ مکمل کام نہیں لے سکتا کہ خاص عمر کے بعد یہ طاقت کم ہونا شروع ہو جاتی ہے اور بالآخر وہ مرجاتا ہے اور جو انسان اپنے تخیل کو لامحدود آزاد چھوڑے گا تو اس کے لیے مایوسی کے سوا کچھ بھی نہیں، یہی حال رومانی ادب کا ہوا۔کہ جب رومانی شاعر بڑی بڑی زبردست امیدیں لے کے چلے تھے کہ انسانی زندگی کے حسن اور قوت کے راگ الاپتے نہیں تھکتے تھے مگر تان آ کے ٹوٹی تو موت کی آرزو پر۔اس شکست کی وجہ عسکری صاحب کے مطابق یہ ہے[۹] کہ ان لوگوں نے انسان اور آدمی کو ایک ہی بات سمجھا تھا۔اور ایک مجرد تصور کی خاطر ٹھوس تجربات کو بالکل نظر انداز کر دیا۔

انسان کے اس تصور سے ایک تو شاعروں پر یہ واضح ہوا کہ انسان کی لامحدود خواہش اور صلاحیتیں صرف تخیل ہی میں بروئے کار آ سکتی ہیں حقیقی زندگی میں بالکل بھی نہیں لہٰذا اس سے انھوں نے زندگی کو تخیل تک محدود کر لیا۔ زندگی کی حقیقت کو تخیل بنانے کی Villiers delissleadam کے ڈرامے Axel کی ہیروئن کی مثال پیش کرتے ہوئے عسکری صاحب نے لکھا کہ جب وہ ہیروئن یہ تجویز پیش کرتی ہے کہ ہمیں اتنا زبردست خزانہ مل گیا ہے، آؤ ہندوستان چلیں! وہاں کسی نئے مذہب کی بنیاد ڈالیں گے یا پھر چین چلیں، وہاں ہیرے جواہرات کی نالیوں میں افیم پیا کریں گے۔اسی طرح دنیا کے تمام ملکوں اور وہاں حاصل ہونے والی لذتوں کے نام گنواتی ہے تو Axel اس پر جواب دیتا ہے:

> ہمارے خواب اتنے حسین ہیں تو انھیں حقیقت بنانے کی کوشش کیوں کریں؟ اس وقت ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کر کے جو عشرت حاصل ہوئی ہے وہ کل تک فنا ہو جائے گی اور اس کے مقابلے میں اصلی زندگی بالکل پھسپھسی معلوم ہوگی۔ اس لیے اب جینے سے فائدہ؟ اتنا کام تو ہمارے ملازم بھی کر لیں گے۔(اس پر عسکری صاحب کا تبصرہ ہے کہ) چناں چہ یہ دونوں انتہائی دوراندیشی برتتے ہوئے زہر کھا لیتے ہیں۔لامحدود مسرتوں پر انسان کا حق اور اس کے اندر اس کی صلاحیت تسلیم کر لینے کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ اصل زندگی ہی معطل ہو کے رہ گئی ہے۔اس لیے انیسویں صدی کے فرانسیسی ناولوں میں خودکشی اور موت کی اتنی بھرمار ہے۔[۱۰]

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

ایک اہم اور سنگین بات جس کی طرف حسن عسکری صاحب اشارہ کرتے ہیں کہ یہ سوچ اور عقیدہ رکھنے سے انسان میں خود غرضی اور سنگدلی پیدا ہوجاتی ہے چوں کہ لامحدود مسرت صرف تخیل میں حاصل ہوسکتی ہے اس لیے آدمی کو دوسرے لوگوں کی ضرورت صرف اتنی دیر کے لیے پڑتی ہے کہ اس کا تخیل حرکت میں آجائے پھر وہ دوسروں سے قطعاً لاتعلق ہو جاتا ہے، اسے اوروں کی خواہشات اور جذبات کا احساس تک نہیں رہتا کیوں کہ وہ اپنی تخیلی لذت اندوزی سے فرصت ہی نہیں پاتا۔ حتیٰ کہ وہ تو اپنی محبوبہ سے ہی بے رحمی برتنے پر مجبور ہو جاتا ہے Lonio Bauilhet کی ایک نظم اس بات کی وضاحت کے لیے عسکری صاحب نے پیش کی ہے جب وہ اپنی محبوبہ سے کہتا ہے:

تیری شکل میں، مَیں جس چیز سے محبت کر رہا تھا وہ خود میری سرمستی تھی تو چلی بھی جائے تو میرا کچھ نہیں بگڑتا، ہم نے انتہائی مسرتوں کے دن ضرور ایک ساتھ گزارے ہیں۔ مگر تو تو ایک معمولی ساز تھی جس مضراب سے نغمے پیدا ہوتے ہیں وہ میں تھا۔ اب تیرا جہاں جی چاہے جا، میں نے اپنا پیالہ پی لیا تو دعوت بھی ختم ہوگئی۔ (۱۱)

عسکری صاحب لکھتے ہیں کہ چوں کہ روسو کا انسان بزعم خود معصوم اور پاک نفس بھی ہے، اس لیے اس سنگ دلی کے باوجود بھی اسے شبہ تک نہیں ہوتا کہ وہ بے رحمی سے کام لے رہا ہے لیکن اس کے مقابلے میں وہ میر تقی میرؔ کو رکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ میرؔ نے محبت کی تھی تو انھوں نے عام آدمیوں کی زندگی اور ان کی مجبوریوں کو فراموش نہیں کیا، ذرا ان دو اشعار پر نظر کیجیے:

جگر کاوی، ناکامی، دنیا ہے آخر
نہیں آئے گر، میرؔ، کچھ کام ہوگا

اگر میرؔ تو یوں ہی روتا رہے گا
تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے

عسکری صاحب کے مطابق، اس قسم کے احساسات سے وہ شاعر بیگانہ ہیں جن کی شاعری کا مرکز روسو کا انسان ہے۔ اس عقیدہ سے ایک بڑی بیماری کا ذکر عسکری صاحب نے یہ کیا کہ انسان اکتاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ انسان کی جذباتی صلاحیتیں لامحدود ہیں مگر حقیقی زندگی میں بروے کار آنے کا پورا موقع نہیں ملتا۔ کیوں کہ حقیقی زندگی اور تخیلی زندگی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لیکن جن لوگوں کو یہ سکھایا گیا ہو کہ تم کائنات کی سب سے بڑی طاقت ہو اور تم ہمہ قسمی پابندیوں سے آزاد ہو، اور زندگی سے اپنی توقعات پوری کرنے کا مطالبہ کر سکتے ہو۔ تو پھر

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ان کے لیے دو باتیں رہ جاتی ہیں۔ پہلی یہ کہ اصل زندگی کو آزمائیں ہی نہیں اور Axel کی طرح خودکشی کر لیں، دوسری صورت یہ کی ساری زندگی بیزاری اور اکتاہٹ میں گزاریں۔ مگر انسان طبعاً زیادہ دیر اکتاہٹ برداشت نہیں کرسکتا وہ اسے ختم کرنے کے لیے کچھ نیا دلچسپ کام سوچ لیتا ہے، مثال کے طور پر عسکری صاحب نے لکھا کہ Huysmans کے ایک ناول کا ہیرو اپنی جیب سے پیسے خرچ کر کے ایک غریب نوجوان کو طوائفوں کا چسکا لگاتا ہے، جب اس نوجوان کی عادت پختہ ہو جاتی ہے تب وہ پیسے دینا بند کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ غریب نوجوان چوری اور قتل تک پر مجبور ہو جاتا ہے اس سے ہیرو کو بڑی تسکین ہوتی ہے کے اس کا تجربہ کامیاب رہا۔

عسکری صاحب ان ادیبوں کے پیش کردہ خیالات سے نتیجہ نکالتے ہوئے کہتے ہیں کہ انیسویں صدی کے آخر تک شاعروں اور ادیبوں نے اپنے ٹھوس تجربات کے ذریعے اس بات کا ثبوت پیش کر دیا تھا کہ انسان کا یہ تصور بجائے خود انسانیت کو برباد کر دینے والا ہے۔ پھر ایک نیا دور شروع ہوتا ہے جس میں یہ تصور ختم تو نہیں ہوا لیکن اس میں انسان اور آدمی کی کشمکش بدستور جاری ہے وہ انسان کی شکست ہی نہیں دکھاتے بلکہ واضح طور پر آدمی کی فتح ثابت کرتے ہیں۔ فلوبیر جو ساری عمر متوسط طبقہ سے نفرت کا اظہار کرتا رہا تھا مگر آخر میں جب وہ چھوٹے موٹے دکان داروں کو اپنے پورے خاندان سمیت سیر کے لیے جاتے ہوئے دیکھتا ہے تو بڑے تاسف سے کہتا ہے کہ شاید یہی لوگ راستی پر ہیں۔ مارسل پروست، جیمز جوائس اور ٹومس مان نے بھی اسی طرف رجوع کر لیا تھا بلکہ جوئس کے الفاظ عسکری صاحب کے قلم سے ہی دیکھ لیتے ہیں:

> جوئس نے تو صاف صاف کہا ہے کہ میرے ناول کے آخر میں عام آدمی کی فتح ہوگی۔ یہ ادیب عام زندگی کے مطالبات کو اور اس کی حد بندیوں کو قبول کرتے ہیں، مجبوراً نہیں بلکہ اسے حیاتیاتی ضرورت اور آدمی کی لازمی شرط سمجھ کر۔ ان لوگوں کا یہ رویہ قطعی طور پر اثباتی ہے۔(۱۲)

انسان پرستی کے حوالے سے عسکری صاحب نے اپنی طرف سے چند خدشات کا اظہار کیا ہے کہ ایسا آدمی انسانوں کے بارے میں چند اصول تو بنا لیتا ہے شاید وہ اس پر کاربند ہو سکتا ہے لیکن اس سب میں وہ زندہ گوشت پوست کے آدمیوں کو بھول جاتا ہے۔ ان کا کہنا ہے ایسے تصورات انسان کو سنگ دل بنا دیتے ہیں اور اس کی مثال وہ چیخوف(۱۳) کی ایک کہانی کے کردار وکیل کی پیش کرتے ہیں کہ وہ وکیل یوں تو بڑا شریف، دیانت دار اور با اصول ہے لیکن اس کے بیوی بچے اس سے خفا ہیں کیوں کہ وکیل کو وہ اصول ہی اصول یاد ہیں اور وہ گوشت پوست کے آدمیوں کو بھول گیا ہے اس ضمن میں ایک اقتباس عسکری صاحب کا اور پیش کیا جاتا ہے:

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

میں انسان پرستی سے اس لیے ڈرتا ہوں کہ انسان کے ایک مجرد و مطلق تصور پر ایمان لانے کے بعد آدمی بے رحم ہو جاتا ہے۔ انفرادی معاملات میں بھی، اور اجتماعی معاملات میں بھی کیوں کہ اجتماعی فائدے کے لیے حرام چیز کو بھی حلال کر دینے کا میلان ہر آدمی میں ہوتا ہے... دوسرے انسان پرستی سے اس لیے ڈرتا ہوں کہ اس کے بعد آدمی کے ذہن میں لطیف، وسیع اور گہرے تجربات کی صلاحیت باقی نہیں رہتی اور آدمی کئی اعتبار سے ٹھس بن کر رہ جاتا ہے۔ جب انسان کی صفات پہلے ہی سے مقرر ہیں تو اس کے بارے میں نئے تجربات ہی کیا ہو سکتے ہیں؟ جو چیز پہلے ہی سے مکمل ہے اس میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ انسان اور انسانیت کے موجودہ تصورات سے بڑا ادب نہیں پیدا ہو سکتا۔ (۱۴)

عسکری صاحب کے نزدیک ان لوگوں میں حقیقت کے مشاہدے اور اظہار کے لیے جتنی ہمت اور ایمانداری ضرورت ہے وہ ان کے پاس ہے، لیکن جب حوصلہ دکھانے کا وقت آتا ہے جسے ''فلسفہ زیست والے اندھیرے میں چھلانگ لگانا کہتے ہیں'' تو یہ لوگ خاموشی سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دوسری قسم کے ناول نگاروں کے بارے عسکری صاحب کا کہنا ہے کہ یہ بھی آدمی کی وہی تصویر پیش کرتے ہیں جو پہلے گروہ والے کرتے ہیں مگر ان کے پاس انسان کا ایک پہلے سے بنا بنایا تصور ہوتا ہے۔ یعنی یہ لوگ انسانی زندگی کا مطالعہ ازلی گناہ کے عیسوی عقیدے کے مطابق کرتے ہیں اور انسان کی فطرت ہی کو داغ دار سمجھتے ہیں۔ اس تصور کی روشنی میں انسان صرف خدا کی رحمت کے ذریعے سے آزاد ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔ اب خدا کی رحمت زبردستی حاصل نہیں کی جا سکتی اس لیے انسان کے پاس صرف معصیت کاری ہی رہ جاتی ہے۔ اب اس تصور کے نتیجے میں بعض ناول نگاروں میں ایک طرح کی اذیت پرستی آ جاتی ہے اور وہ انسان کا ایک ایک گناہ کرید کر لاتے ہیں جس طرح اپنے دشمن سے انتقام لیا جا رہا ہو۔

اب اس ساری بحث کو سمیٹتے ہوئے ہم عسکری صاحب کے الفاظ میں بیان کر لیتے ہیں:

یہ ایک ہمیشہ جاری رہنے والا تخلیقی عمل ہے۔ انسان کو ہر ہر لمحہ اپنے آپ کو از سرِ نو تخلیق کرنا پڑتا ہے۔ یعنی آدمی اور انسان کا تعلق ایک جدلیاتی عمل ہے اور اس عمل کی جدلیت انسانی زندگی کو سیراب کرتی ہے۔ اس جدلیاتی عمل سے انکار کرنا یا اس کی ذمے داریوں سے بچنا بے ہمتی اور یاس پرستی ہے بلکہ موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے کیوں کہ انسان اپنے آپ کو صرف اس جدلیاتی اور تخلیقی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

عمل کے ذریعے زندہ رکھ سکتا ہے۔ ایٹم بم نے اس حقیقت کو دبایا نہیں بلکہ اور ابھار دیا ہے ہمارے روحانی مسائل ختم نہیں ہوئے ہیں آج ہم انسانی زندگی کے سب سے بنیادی مسئلہ سے دوچار ہیں۔ ہم آدمی کے اندر سے انسان اخذ کرنے کی اہلیت اور طاقت رکھتے ہیں یا نہیں؟ اسی سوال کے جواب پر نسل انسانی کے مستقبل کا دارومدار ہے غالب نے کہا ہے:

آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

اگر اس مضمون کے اصطلاحی معنوں میں آدمی کو انسان بنانا میسر نہ ہوا تو پھر آدمی زندہ نہیں رہ سکے گا۔[۱۵]

حسن عسکری کے انسان اور آدمی کی تصور پر کئی ناقدین نے اعتراضات بھی اٹھائے جن میں ممتاز حسین کا نام اہم ہے انھوں نے ایک مضمون بہ عنوان ''آدمی یا حیوان'' لکھا ہے جس میں انھوں نے عسکری صاحب کے تصورِ انسان کو رد کرنے کی کوشش گ ء ہے۔ حسن عسکری کے اس خیال کو کہ جس میں قرآن مجید میں آدمی کو کو ظالم اور جاہل کہا گیا ہے اور یوں آدمی کا جو تصور ڈی ایچ لارنس نے پیش کیا ہے عسکری نے اسی تصور کو قرآن مجید سے ملانے کی کوشش کی ہے۔ اس مضمون میں ممتاز حسین نے بتایا ہے کہ:

> قرآن مجید میں ظلوماً جہولا کے کلمات ایک مخصوص ذمے داری کے سیاق و سباق میں ادا کیے گئے ہیں ورنہ قرآن مجید میں انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا گیا ہے، اور اسے از روئے قرآن مجید نسبت روح الٰہی حاصل ہے، مزید یہ کہ اسے خدا کی فطرت کے سانچے میں ڈھالا گیا، اور اس کی تقویم کو سب سے احسن قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی لیے اسے اپنا نائب مناسب زمین پر مقرر کیا... عسکری صاحب اس مضمون سے خاصے زچ ہوئے کیوں کہ اس وقت وہ اپنے کو اسلامی نظریہ کا بھی دعوے دار تصور کرتے تھے چناں چہ اس مضمون کے ردِعمل میں یہ لکھتے ہوئے کہ ''میں اپنا نظریہ تو کیا بدلوں گا'' ایک دوسرا مضمون آدمی اور انسان کے عنوان سے لکھا، اس بار ڈی ایچ لارنس کے فرائیڈین آدمی کے بجائے جو خاصا تشدد پسند بھی ہے، جیمز جوائس کے نامکمل آدمی کی تصویر پیش کی ہے جو نزول اور سعود دونوں منزلوں سے گزرتا رہتا ہے، کبھی انسانیت سے حیوانیت کی طرف سفر کرتا ہے تو کبھی حیوانیت سے انسانیت کی طرف۔[۱۶]

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ممتاز حسین نے عسکری صاحب کے ان خیالات پر کافی اعتراضات کیے ہیں ہم مثال کے لیے ان کا ایک اقتباس نقل کر کے اس مضمون کو انجام تک لاتے ہیں:

> دنیا کے ادبی سرمایہ میں حسن عسکری کو اگر کوئی چیز پسند آئی ہے تو وہ بودلیئر کی شاعری ہے جہاں انسان اور حیوان گتھا ہوا نظر آتا ہے۔ اگر حسن عسکری یہیں آ کر رک جاتے تو پھر بھی دیانت داری کا شائبہ باقی رہ جاتا۔لیکن وہ اپنی خوشی کا اظہار تو اس بات پر کرتے ہیں کہ عظیم ادب میں ہمیشہ انسان کی وحشت کو پیش کیا گیا ہے۔خوشی کا اظہار صرف اس لیے کیا جاتا ہے کہ اس بات سے انسان کی حیوانی فطرت ناقابل اصلاح اور ناقابل تغیر معلوم ہوتی ہے۔ اپنی اس انسان دشمنی کی کوشش میں وہ غریب روسو کو بھی لے ڈوبے ہیں۔حسن عسکری کا خیال ہے کہ رومانوی ادب کا ہیرو روسو کا نیک نفس اور معصوم انسان تھا اور یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ انیسویں صدی میں وہ ایک جھوٹا خدا ثابت ہوا یہ صریحاً غلط ہے کیوں کہ روسو نے اپنے فطری انسان کو نیک باز وحشی کے لقب سے یاد کیا ہے اگر وہ سراسر نیک باز ہوتا تو بہ قول روسو یہ بات نہ کہتا کہ ''یہ میری چیز ہے''، ''وہ پہلا احمق انسان تھا جس نے کہا کہ یہ میری چیز ہے۔''(۱۷)

حواشی

۱۔ عزیز ابن الحسن، ''محمد حسن عسکری: شخصیت اور فن''، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۷ء)، ص ۱۳

۲۔ محمد حسن عسکری، ''مقالاتِ محمد حسن عسکری'' (ادبیات)، مرتبہ شیما مجید، (لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۰۱ء)، ص ۱۹

۳۔ ایضاً

۴۔ عزیز ابن الحسن، ''محمد حسن عسکری: شخصیت اور فن''، ص ۱۴

۵۔ محمد حسن عسکری، ''عسکری نامہ''، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء)، ص ۱۶۰

۶۔ عزیز ابن الحسن، ''محمد حسن عسکری: شخصیت اور فن''، ص ۲۱

۷۔ عبادت بریلوی، ''مقدمہ'' مشمولہ ''خطوطِ محمد حسن عسکری''، (لاہور: ادارۂ ادب و تنقید، ۱۹۹۳ء)، ص ۲۲

۸۔ عابد علی عابد، ''اصولِ انتقادیات''، (لاہور: مجلسِ ترقیِ ادب، ۱۹۷۰ء)، ص ۲

۹۔ محمد حسن عسکری، ''انسان اور آدمی'' مشمولہ ''مجموعۂ محمد حسن عسکری''، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ص ۳۳

۱۰۔ سلیم احمد، ''محمد حسن عسکری: آدمی یا انسان'' مشمولہ ''محمد حسن عسکری: ایک عہد آفریں نقاد''، مرتبہ اشتیاق احمد، (لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۰۵ء)، ص ۱۰۶

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۱۱۔ ایضاً، (کراچی: مکتبۂ اسلوب، ۱۹۸۲ء)، ص ۲۳

۱۲۔ سلیم احمد، ''محمد حسن عسکری: آدمی یا انسان'' مشمولہ ''محمد حسن عسکری: ایک عہد آفریں نقاد''، مرتبہ اشتیاق احمد، ص ۱۰۶

۱۳۔ محمد حسن عسکری، ''انسان اور آدمی'' مشمولہ ''مجموعۂ محمد حسن عسکری''، ص ۳۳

۱۴۔ ایضاً، ص ۳۸

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ ایضاً، ص ۴۰

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ ایضاً، ص ۴۲

۱۹۔ ایضاً، ص ۴۴

۲۰۔ ایضاً، ص ۴۸

۲۱۔ ایضاً، ص ۴۶۲

۲۲۔ ممتاز حسین، ''پاکستانی معاشرہ اور اردو تنقید''، مشمولہ ''ادب اور روحِ عصر''، (کراچی: شہرزاد، ۲۰۰۳ء)، ص ۶۱

۲۳۔ ______، ''آدمی یا حیوان''، مشمولہ ''نئے تنقیدی گوشے''، (دہلی: آزاد کتاب گھر، کلاں محل، ۱۹۶۴ء)، ص ۲۶۱

ماخذ

۱۔ ابن الحسن، عزیز، ''محمد حسن عسکری: شخصیت اور فن''، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۷

۲۔ احمد، سلیم، ''محمد حسن عسکری: آدمی یا انسان'' مشمولہ ''محمد حسن عسکری: ایک عہد آفریں نقاد''، مرتبہ اشتیاق احمد، لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۰۵ء

۳۔ ایضاً، کراچی: مکتبۂ اسلوب، ۱۹۸۲ء

۴۔ بریلوی، عبادت، ''مقدمہ'' مشمولہ ''خطوطِ محمد حسن عسکری''، لاہور: ادارۂ ادب و تنقید، ۱۹۹۳ء

۵۔ حسین، ممتاز، ''پاکستانی معاشرہ اور اردو تنقید''، مشمولہ ''ادب اور روحِ عصر''، کراچی: شہرزاد، ۲۰۰۳ء

۶۔ ______، ''آدمی یا حیوان''، مشمولہ ''نئے تنقیدی گوشے''، دہلی: آزاد کتاب گھر، کلاں محل، ۱۹۶۴ء

۷۔ عابد، عابد علی، ''اصولِ انتقادیات''، لاہور: مجلسِ ترقیِ ادب، ۱۹۷۰ء

۸۔ عسکری، محمد حسن، ''مقالاتِ محمد حسن عسکری'' (ادبیات)، مرتبہ شیما مجید، لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۰۱ء

۹۔ ______، ''عسکری نامہ''، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۱۰۔ ______، ''انسان اور آدمی'' مشمولہ ''مجموعۂ محمد حسن عسکری''، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء